وفاق ہائے مدارس کی تازہ پیش قدمی کا جائزہ

دینی مدارس کی اسناد کی منظوری؟

"ہر چند کہیں کہ 'ہے'، نہیں ہے!"

اسلام اللہ کی طرف سے ملنے والے علم اور اس پر عمل کا نام ہے۔ پہلی وحی میں علم سیکھنے، علم کے[1] آداب، معلم حقیقی اللہ عزوجل کا تعارف اور علم کے موضوع کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اس علم وحی کو لینے، اس پر عمل کرنے اور اس کو سکھانے، آگے پھیلانے کے گرد مرکوز ہے۔

انسانیت پر سب سے بڑا احسان اس کو ہدایتِ حقیقی کی تعلیم و تربیت دینا ہے جو انبیاے کرام کا مشن ہے۔ جس طرح انبیا کی ذات وصفات سب سے ارفع واعلیٰ ہیں، اسی طرح انبیا کے علوم بھی سب سے بلند وبالا ہیں جو دراصل خالق کے عطا کردہ علوم یعنی 'علومِ الٰہیہ' ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے بذاتِ خود 'دارِ ارقم' اور درسگاہِ صفہ میں اس نظام تعلیم کا آغاز کیا، اس تعلیمی ادارے کے اوّلین معلّم آپ ﷺ اور اس کے پہلے متعلّم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ اسی نظام تعلیم نے دنیا کو تاریخ کی نامور اوّلین یونیورسٹیاں جامعہ زیتونہ، تیونس (۱۲۰ھ/۷۳۷ء) جامعہ قرویین، مراکش (۲۴۵ھ/۸۵۹ء)، جامعہ ازہر، مصر (۳۵۹ھ/۹۷۵ء)، جامعہ نظامیہ، بغداد (۴۵۹ھ/۱۰۶۶ء) دیں اور انسانیت کو علم کی روشنی سے آراستہ کیا۔ بڑے بڑے نامور علما یہاں سے تیار ہوئے اور اُنہوں نے سیکڑوں جلدوں پر مشتمل کتب بھی لکھیں اور علوم کا سنہرا دور متعارف ہوا۔ جبکہ حالیہ مغرب اس وقت جہالت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا اور اس کی مشہور یونیورسٹیاں ان اسلامی جامعات سے استفادہ کرتے ہوئے آکسفورڈ (۱۰۹۶ء)، کیمبرج (۱۲۰۹ء) اور ہارورڈ (۱۸۶۷ء) کے ناموں سے کئی سال بعد آہستہ آہستہ قائم ہوتی رہیں۔

اسلام میں علم اور عالم کے بے پناہ فضائل ہیں اور ہر مسلمان کے لئے علم سیکھنا لازمی ہے۔ مسلم معاشرے میں ہر فرد پر دین کا 'ضروری علم' سیکھنا واجب ہے جسے 'فرضِ عین' کہتے ہیں، جبکہ دین کا گہرا علم معاشرے کے

---

۱ «طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ»، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ (سنن ابن ماجہ: ۲۲۴)

ہر طبقے میں اتنے اشخاص کے لئے لازمی ہے جو پورے معاشرے کی رہنمائی کرسکیں اور یہ علم 'فرضِ کفایہ'[1] کہلاتا ہے۔ ایسے علم کے ماہرین دراصل انبیا کے وارث ہیں، اور قرآنِ کریم نے ان کو 'علماے ربانی' قرار دیا ہے۔ بلکہ اسلام کے نظریاتی معاشرے کے قائدین یہی علماے کرام ہیں جو نہ صرف عامۃ المسلمین کو اسلامی اقدار پر گامزن کرتے بلکہ حکام (اُولی الامر) کو شریعت کی راہوں پر قائم رکھتے ہیں تاکہ وہ عدل وانصاف کا فریضہ انجام دیں، اس طرح مسلم فرد اور اسلامی معاشرہ خیر وبرکت کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ قوموں کے عروج وزوال کی بنیادیں علم وتعلیم سے اُٹھتی ہیں۔ عہد ِنبوی سے لے کر جب اور جہاں تک تعلیم وتعلّم کا دور دورہ رہا، علوم نبوت میں رسوخ اور ان پر تمام سماجی وسائنسی علوم کی اساسات قائم کی جاتی رہیں تو مسلمان دنیا کی قیادت کرتے رہے۔ بانگِ درا میں مفکرِ پاکستان علامہ اقبال کہتے ہیں ؂

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

متذکرہ اسلامی جامعات کا طرۂ امتیاز یہ تھا کہ وہ جامع مساجد کے گرد قائم کی جاتیں، یہاں جملہ علوم کی تعلیم بلامعاوضہ دی جاتی اور قرآن وسنت کی تعلیم وتربیت کے ساتھ معاشرتی ضروریات کے دیگر علوم بھی قرآن وسنت کی روشنی میں سکھائے جاتے رہے۔ اسی نظامِ تعلیم کے تحت اَندلس کی درس گاہوں میں شریعت وزبان کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم: کیمیا Chemistry ، فلکیات Astronomy ، ہندسہ Engineering، ریاضی Mathematics، طب Medical، نباتیات Botany، حیاتیات Biology اور فلسفہ Philosophy و منطق Logic کی تعلیم بھی دی جاتی تھی، جبکہ برصغیر میں انہی علوم پر مشتمل 'شعبۂ حکمت' درسِ نظامی کا ایک لازمی حصہ تھا، جو طب، ریاضی اور فلسفہ کے مجموعہ پر مشتمل[2] تھا۔ یعنی میڈیکل، انجینئرنگ اور عقلی علوم بھی ہمارے روایتی مدارس کا لازمی حصہ رہے ہیں۔ ماضی قریب میں علماے کرام قرآن وسنت کے علوم کے ساتھ علوم حکمت کے بھی ماہر ہوتے حتیٰ کہ انہیں ان علوم کے بیشتر متون بھی زبانی حفظ[3] ہوتے تھے۔ کیونکہ اسلام کی رو سے "دین ودنیا کی کوئی ثَنویّت نہیں ہے۔ دنیاوی زندگی

---

۱ ﴿ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ ﴾ (التوبہ:۱۲۲)

۲ مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کے والد اور نزھۃ الخواطر کے مصنف مولانا عبدالحیٔ حسنی نے لکھا کہ "ہندوستان کے نصابِ تعلیم کے تیسرے دور (۱۵۸۳ء؛ دورِ اکبری) میں درسِ نظامی میں ہی علم طب، علم ہیئت اور علم ریاضی جیسے سائنسی علوم کا بھی اضافہ کیا گیا۔ انہی علوم میں سے موجودہ دینی مدارس میں آج بھی علم ہیئت کی کتاب شرح چغمینی (فلکیات) اور اُقلیدس (علم ہندسہ) درسِ نظامی میں شاملِ نصاب ہے۔" (مجلّہ 'الندوۃ': ۱۹۰۹ء)

۳ والدِ گرامی مولانا ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ بتایا کرتے ہیں کہ ان کے والد محترم شیخ التفسیر حافظ محمد حسین امرتسری (م ۱۹۵۹ء) صحیح بخاری کے چھ پاروں کے حافظ اور ان کے بڑے بھائی حافظ عبد اللہ محدث روپڑی (م ۱۹۶۴ء) کو ریاضی رہندسہ کی

میں درکار ہر علم اگر قرآن وسنت کی رہنمائی میں پڑھا جائے تو وہ فضیلت والا علم ہے اور اس کو سیکھنا کارِ ثواب ہے۔ البتہ اسلام میں علوم کی تقسیم نافع اور غیر نافع کی ہے۔''

برصغیر میں جب برطانوی استعمار نے اپنے ڈیرے ڈالے تو اپنے سیکولر[1] نظریات کے زیر اثر پورے معاشرے کو دین ودنیا کے دو خانوں میں بانٹ دیا۔ اور سامراج نے معاشرے کا مرکزی دھارا ر نظام، دین اور اس کے علوم کو نظر انداز کر کے خالص سیکولر بنیادوں اور انگریزی زبان وتہذیب پر تشکیل دیا، اگرچہ ایک مختصر دائرے میں مشرقی زبانوں رعلوم کو سیکھنے کی اجازت گوارا کی۔ چنانچہ ۱۸۴۰ء کے بعد متعصب انگریز جبجو مفکر لارڈ تھامس میکالے (م۱۸۵۹ء) کے زیر نگرانی سرکاری انگریزی تعلیمی نظام کو مرکزی حیثیت دیتے ہوئے، استعمار نے صرف اس کی اسناد کو قبول ومنظور کیا، بلکہ مسلمانوں کے قدیم سے چلے آنے والے تعلیمی نظام کے سرپرست اوقاف کے ذرائع آمدن پر بھی قبضہ کر لیا اور ان کی اسنادِ فضیلت کو بے وقعت قرار[2] دے دیا۔ ان کے اس عمل کے نتیجے میں جبری طور پر معاشرے میں مسلمانوں کے تعلیمی مدارس لارڈ میکالے کے قائم کردہ مرکزی تعلیمی دھارے سے علیحدہ ہو کر روایتی دینی علوم تک محدود ہو گئے اور انگریز سرکار کے زیر سایہ تعلیمی ادارے، سیکولر علوم کے ادارے بن کر اپنی اسناد کی منظوری سے معاشرے کو افرادِ کار مہیا کرنے لگے۔ یہ

درسی کتاب اُقلیدس کے کئی مقالات زبانی حفظ تھے۔ ایسے ہی شیخ الحدیث حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۸۵ء) بھی ان علوم حکمت کے جامع وحافظ تھے۔ رحمہم اللہ اجمعین

۱ 'سیکولرزم' دین ودنیا یا چرچ وسٹیٹ (مذہب وریاست) کی تقسیم کا مغربی کفریہ نظریہ ہے جسے فرانسیسی مفکر وولٹائر ۱۷۷۸ء، امریکی دستور کی پہلی ترمیم ۱۸۰۲ء، اور برطانیہ میں جارج جیکب نے ۱۸۵۱ء میں بطورِ نظام متعارف کرایا۔ یہ نظریہ دین ودنیا کی صرف تقسیم کا داعی نہیں، بلکہ اجتماعیت کے تمام دائروں میں مذہب کا داخلہ منع کر کے پوری سیاسی، قانونی، تعلیمی اور ابلاغی قوت سے مذہب کو فرد کی ذاتی زندگی (عبادات وعقائد اور رسوم ورواج) تک مقید کرنے کے قانون بناتا اور ریاستی طاقت سے نافذ کرتا ہے۔ لبرل حکومتی جبر کے نتیجے میں آخر کار معاشرہ لادینیت کا شکار ہو جاتا ہے اور سیکولر لوگ آزادیٔ اظہار کے نام پر فرد کے مذہبی تصورات پر بھی حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ اسی نظریہ کا نتیجہ 'اسلام کی بنا پر تعلیم وسیاست کی تشکیل' کا انکار اور دینی ودنیاوی تعلیم کے جداگانہ ادارے ہیں۔

۲ تھامس میکالے ۱۸۳۴ء میں حکومت ہند کے نئے رکن قانون کی حیثیت سے مدراس میں وارد ہوا اور اسے 'مجلس تعلیماتِ عامہ' کا صدر بنایا گیا۔ اس نے ۱۸۳۵ء کی تعلیمی رپورٹ میں یہ قطعیت سے لکھا کہ ''کمپنی کو اپنا تعلیمی بجٹ صرف اور صرف انگریزی تعلیم پر خرچ کرنا چاہیے اور کمپنی کو روایتی ومقامی مدارس کی مالی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیے۔'' میکالے نے دھمکی دی تھی کہ اگر اس کی تجاویز پر عمل نہ کیا گیا تو وہ مجلس تعلیماتِ عامہ سے استعفا دے دے گا۔ یہ دھمکی کارگر رہی اور ۱۸۳۵ء سے انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنا دیا گیا۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ انگریزی نظام تعلیم ایک نئی ہندوستانی اشرافیہ پیدا کرنے کی غرض سے رائج کیا گیا جو باہر سے ہندوستانی، مگر اندر سے انگریز ہو۔ نئی ہندوستانی اشرافیہ کی دوغلی شخصیت نوآبادیاتی ضرورت تھی۔ (''انگریزوں نے ہندوستان کو کیسے ذہنی غلام بنایا؟'' از پروفیسر ناصر عباس نیرّ چیئرمین 'اردو سائنس بورڈ'، مجلّہ تعلیمی زاویے ۲۰۱۶ء، لاہور)

وہ مرحلہ ہے جب سیاسی جبر اور عوامی رجحانات کے زیر اثر دینی مدارس کا تعلیمی کردار محدود ہو گیا۔ گویا ہمارے معاشرے کی دینی و دنیاوی تقسیم انگریز کے سیکولر نظریات کا تقاضا تھی، جس نے ماضی کے برعکس مسلم معاشرے کو 'مسٹر' و 'ملا' کے دو طبقات میں بانٹ دیا۔

جب برطانیہ جنگِ عظیم دوم کے بعد اپنی استعماری طاقت برقرار نہ رکھ سکا، تو انگریز کو اپنے وطن مالوف تک سمٹنا پڑا، اور قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت اور مسلمانوں کی لازوال جدوجہد کے نتیجے میں بالآخر اسلام کے نام پر 'پاکستان' وجود میں آگیا۔ جس کا مقصد معاشرے کی سیاست وعدالت، تعلیم وابلاغ اور معیشت ومعاشرت میں استعمار کے اثرات کا خاتمہ کرکے اس کو اسلام کا نمونہ اور قلعہ بنانا تھا۔ اس عظیم مقصد کو قراردادِ مقاصد[1] (۱۹۴۹ء) اور بعدازاں دستور پاکستان (۱۹۷۳ء) میں قانونی بنیاد بھی مہیا کر دی گئی۔[2]

بلاشبہ کسی مسلم حکومت کا بنیادی فریضہ "علوم نبوت کا احیا کرکے معاشرے میں ان کے ماہرین فراہم کرنے کے ذریعے، اس کو نبوی تعلیمات کے مطابق استوار کرنے کی جدوجہد کرنا ہے۔" کیونکہ مسلم حکومت کے قیام کا آغاز احیائے علوم دینیہ سے ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۷۶۲ء/۱۱۷۶ھ) مسلم حکومت کی تعریف اور اس کا طریقہ کار یوں بیان کرتے ہیں:

هي الرياسة العامة في التصدي لإقامة الدين بإحياء العلوم الدينية واقامة أركان الاسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفروض للمقاتلة وإعطاءهم من الفيء والقيام بالقضاء وإقامة الحدود ورفع المظالم والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر نيابةً عن النبي ﷺ[3]

"یہ ایسی وسیع تر حکومت ہے جو نبی مکرم ﷺ کی نیابت میں نفاذِ/اقامتِ دین کے فرض کو پورا کرتی ہے کہ (۱) وہ دینی علوم کا احیا کرے، (۲) ارکانِ اسلام (توحید ورسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج) کو قائم کرے، (۳) جہاد کو جاری کرے، متعلقہ لشکروں کی تنظیم کرے، وجوبِ جہاد کا اعلان اور مجاہدین میں مالِ فے وغنیمت تقسیم کرے، (۴) شرعی نظامِ عدل کو قائم کرے، حدود کا نفاذ کرے، احتسابی نظام سے افسران کے مظالم کی بیخ کنی کرے اور معاشرے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو جاری کرے۔"

یہی بات اس سے سات صدیاں قبل سیاسہ شرعیہ کے عظیم ماہر، خلافتِ عباسیہ کے نامور جسٹس وفقیہ، امام

---

۱ قرارداد مقاصد کو ۱۹۴۹ء میں دستور کا دیباچہ بنایا گیا، لیکن ۱۹۸۵ء میں اس کو باقاعدہ دستور کا حصہ قرار دے دیا گیا ہے۔

۲ افسوس کہ سپریم کورٹ کے پانچ رکنی فل بنچ نے ڈاکٹر نسیم حسن شاہ کی سربراہی میں مارچ ۱۹۹۲ء کو اس بنیاد کو بری طرح متاثر کیا۔

۳ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء از شاہ ولی اللہ دہلوی: ۱/۵

ابو الحسن علی الماوردی (م ۱۰۵۸ء / ۴۵۰ھ) بھی حاکم کے ۱۰ / فرائض گنواتے ہوئے سر فہرست لکھ چکے ہیں:

(1) حِفْظُ الدِّينِ وَالْحَثُّ عَلَى تَطْبِيقِهِ، وَنَشْرُ الْعِلْمِ الشَّرْعِيِّ وَتَعْظِيمُ أَهْلِهِ وَمُخَالَطَتُهُمْ وَمُشَاوَرَتُهُمْ.

(2) حِرَاسَةُ الْبِلَادِ وَالدِّفَاعُ عَنْهَا، وَحِفْظُ الأَمْنِ الدَّاخِلِيِّ... الخ[1]

"حاکم کا پہلا فرض یہ ہے کہ دین کی حفاظت کرے اور اس کو نافذ کرنے کی جستجو کرے۔ علوم شرعیہ کو سکھانے کا انتظام کرے، اور علوم شرعیہ کے حامل علما کی عزت کرے، ان سے میل جول رکھے اور ان سے مشاورت کرتا رہے۔ اس کا دوسرا فرض یہ ہے کہ شہروں کی حفاظت اور ان کا دفاع کرے اور داخلی امن کو قائم کرے.... الخ"

یاد رہے کہ دستور پاکستان بھی قوم کی تعلیمی ضروریات کو پوری کرنا حکومت کی ذمہ داری قرار دیتا ہے:

"آرٹیکل ۲۵ (الف): ریاست پانچ سے سولہ سال تک کی عمر کے تمام بچوں کے لئے مذکورہ طریقہ کار پر جیسا کہ قانون کے ذریعے مقرر کیا جائے، مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرے گی۔"

گویا تعلیم پہلے ہی حکومتی ذمہ داری ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس ذمہ داری کو دینی تعلیم تک وسیع کیا جائے اور دینی تعلیم کی بنیادی قابلیت کی بجائے معاشرے کو اس کے ماہرین بھی فراہم کئے جائیں تاکہ پاکستان کا اسلامی معاشرہ اور نظریاتی ریاست اسلام کی سمت تیزی سے پیش قدمی کر سکے۔

اُصولی طور پر جب دینی مدارس میں علم کی سب سے بلند ر مستند قسم کو سکھایا جاتا ہے اور علوم نبوت کے ماہرین تیار کرنا مسلم معاشرے کا ملّی اور دینی فریضہ ہے تو لازمی ہے کہ اس کو متعارف و مروّج کرنے کے لئے مسلم حکومتوں کی طرف سے اقدامات بھی کئے جائیں تاکہ مسلم معاشرے کی تشکیل میں علماء کو ضروری کردار ادا کرنے کا موقع ملے۔ اور مسلم حکومت کی طرف سے علوم اسلامیہ و شرعیہ کو سیکھنے کی اجازت ہی کافی نہیں بلکہ ان کا فروغ اور اس میں رسوخ بھی حکام کی مسلّمہ شرعی ذمہ داری ہے، جیسا کہ فوج و پولیس یا عدلیہ قائم کرنا اور ان کی معیاری اعلیٰ تعلیم کا انتظام کرنا حکومتی فریضہ ہے۔

ایک صدی سے زیادہ عرصہ انگریز سامراج کے پیدا کردہ فرقہ وارانہ تعصّب کے سائے تلے گزارنے کے باوجود علمائے کرام اور ان کے قائم کردہ تعلیمی اداروں نے پاکستان میں بڑی حد تک اسلامی تعلیمی خدمات کی ذمہ داری قبول کی، حالانکہ درحقیقت یہ فریضہ اصلاً پاکستان کے حکام کا تھا کہ وہ دیگر علوم کی طرح علوم نبوت کے نامور ماہرین بھی معاشرے کو فراہم کرتی۔ نیز مدارس دینیہ نے قومی تعمیر میں کردار ادا کرنے کی اہمیت کو سمجھتے

---

[1] الاحکام السلطانیہ از امام ابو الحسن ماوردی: ۱۵ بحوالہ موسوعہ فقہیہ، کویت: ۲۵ / ۳۰۴

ہوئے اپنے فضلا کو معاشرے کے مختلف میدانوں میں اپنی صلاحیتیں کھپانے کی کوششیں بھی کیں جس کے لئے پہلا قدم یہی تھا کہ مدارس کی اسناد کو سرکاری طور پر قبول ومنظور کیا جاتا کیونکہ اسناد کے بغیر معاشرتی عمل بالخصوص سرکاری و قومی اداروں میں فرائض منصبی کی ادائیگی ممکن ہی نہیں۔

وفاق المدارس کے پلیٹ فارم سے اسناد کی منظوری کی جدوجہد میں تمام مکاتبِ فکر کے مدارس کا بلاامتیاز شریک ہونا اس امر کا غماز ہے کہ مدارسِ دینیہ پاکستانی معاشرے کو سیکولر نظریہ کے مطابق دینی ودنیاوی دائروں میں بانٹ کر رکھنا نہیں چاہتے اور مؤثر معاشرتی کردار ادا کرنا چاہتے ہیں۔

لیکن افسوس ناک امر ہے کہ علوم نبوت کی تعلیم کو اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کبھی تعلیمی سرگرمی ہی نہیں مانا گیا، اور اُنہیں زیادہ سے زیادہ وزارت مذہبی امور کے تحت ایک مذہبی سرگرمی کے طور پر یا وزارتِ داخلہ کے تحت امن وامان کے لئے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جنرل محمد ضیاء الحق کے دور میں جاری ہونے والا پہلا نوٹیفکیشن بھی وزارتِ مذہبی امور کے ایک محترم ڈائریکٹر جج کی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔ حال ہی وفاقی وزیر مملکت برائے تعلیم نے بھی اُس وقت دینی مدارس سے ایک مبینہ معاہدہ کیا ہے، جب اٹھارویں ترمیم کے بعد وزارتِ تعلیم وفاق سے نکل کر صوبائی حکومتوں کے دائرہ اختیار میں آچکی ہے۔ تفصیلات آگے ملاحظہ کریں۔

پہلا مرحلہ: جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کا دور

ایک اسلامی ریاست ہونے کے ناطے پاکستان میں قانون و تعلیم کے میدانوں میں بھی اسلامی روایات واقدار کا احیا کرنا ہمارا قومی وآئینی فریضہ تھا۔ تیس سالوں کے بعد جب جنرل محمد ضیاء الحق کے دور میں حکومت نے پاکستان کے مقصدِ وجود کی طرف سنجیدہ پیش قدمی کی اور زندگی کے متنوع میدانوں میں اسلامی اصلاحات کو تدریجاً متعارف کرانا شروع کیا، تو دینی مدارس کو معاشرے کے مرکزی تعلیمی نظام میں واپس لانے اور استعمار کے اثرات کو کم کرنے کے لئے ان کی اسناد کو جزوی طور پر منظور کرنے کا حکم نامہ جاری کیا گیا۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (UGC) کے نوٹیفکیشن نمبر 8-418/Acad/82/128 مجریہ ۱۷ نومبر ۱۹۸۲ء کے مطابق:

"موضوع: یونیورسٹی ڈگری کے ساتھ دینی اسناد کا معادلہ **(Equivalence)**[1]

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے مذکورہ موضوع پر درج ذیل اعلان کیا کہ

دینی وفاق ہائے مدارس کی آخری سند کو کالج ویونیورسٹی میں اسلامیات اور عربی کے مضامین کی تدریس

---

۱ مضمون میں بیان کردہ سرکاری نوٹی فکیشنز کا ان کے اصل انگریزی متن کو سامنے رکھتے ہوئے عام فہم ترجمہ کیا گیا ہے۔ جبکہ اصل چھ انگریزی دستاویزات کو محدث کے انٹرنیٹ ایڈیشن کے آخر میں ملحق کر دیا گیا ہے جنہیں حسبِ ضرورت دیکھا جا سکتا ہے۔

اور ان میں مزید تحقیق کے لئے ایم اے اسلامیات اور عربی کے مساوی تسلیم کیا جاتا ہے۔
جبکہ تدریس کے علاوہ کسی اور میدان میں ملازمت حاصل کرنے کے لئے یہ سند پانے والے طلبہ کے لئے لازمی ہو گا کہ بی اے درجہ کے (عربی اور اسلامیات کے ماسوا) کسی بھی یونیورسٹی سے دو اختیاری مضامین کا امتحان پاس کریں۔ مزید بر آں اُنہیں حال ہی میں متعارف کرائے جانے والے بی اے درجہ کے مطالعہ پاکستان اور اسلامیات کے لازمی پیپرز بھی پاس کرنے ہوں گے۔"

درج ذیل وفاق ہائے مدارس اور دینی مدارس [1] کی آخری سند (العالیہ) کو منظور کیا گیا:

۱۔ وفاق المدارس عربیہ، ملتان	دیوبندی ر حنفی
۲۔ دار العلوم کورنگی، کراچی	دیوبندی ر حنفی
۳۔ جامعہ اشرفیہ، لاہور	دیوبندی ر حنفی
۴۔ تنظیم المدارس اہل سنت، لاہور	بریلوی ر حنفی
۵۔ دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ	بریلوی ر حنفی
۶۔ جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن، لاہور	بریلوی ر حنفی
۷۔ وفاق المدارس السّلفیہ، فیصل آباد	اہل حدیث
۸۔ جامعہ تعلیمات اسلامیہ، فیصل آباد	اہل حدیث
۹۔ وفاق المدارس شیعہ، لاہور	اہل تشیع
۱۰۔ رابطۃ المدارس الاسلامیہ، منصورہ، لاہور	جماعتِ اسلامی

واضح رہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے اس حکم نامے میں صرف ایم اے کی سند کو قبول کیا گیا تھا، اور ان سالوں میں صرف وفاق کی آخری سند الشہادۃ العالمیۃ ہی ایم اے اسلامیات و عربی کے لئے کافی سمجھی جاتی رہی۔ اور اس امر کا قوی امکان تھا کہ اعلیٰ ترین تعلیمی سند منظور ہونے کے بعد ایم اے کے نچلے مراحل بھی آہستہ آہستہ منظور و معتبر ہوتے جائیں گے۔

تاہم اس موقع پر ایم اے کی سند کو 'ہر طرح کی قابلیت' کے لئے منظور نہ کیا گیا تھا بلکہ ہر طرح کی مسلمہ اہلیت کے لئے بی اے درجہ کے چار مضامین پاس کرنا ضروری قرار دیے گئے تھے:

اسلامیات اور عربی کے سوا کوئی سے دو اختیاری مضامین (جیسے اُردو، معاشیات، سیاسیات وغیرہ)

---

۱ ۱۹۸۲ء میں چاروں وفاق ہائے مدارس (نمبر ۱، ۴، ۷ اور ۹) کو منظور کیا گیا جبکہ باقی کی منظوری کچھ عرصہ بعد عمل میں آئی۔

اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کے لازمی 'مضامین

چنانچہ اس سہولت سے استفادہ کرتے ہوئے الشهادة العالمية کے سند یافتہ بہت سے طلبہ نے سرکاری یونیورسٹیوں میں بی اے کے امتحان میں شرکت کی اور ان مضامین کا امتحان پاس کر کے، ایک طرف بی اے کی ڈگری سرکاری یونیورسٹی سے حاصل کرلی تو دوسری طرف ان کی الشهادة العالمية بھی دیگر میدانوں کے لئے معتبر قرار پاگئی۔ ۲۰۰۶ء میں پنجاب یونیورسٹی کے تحت منعقدہ، ایسا امتحان دینے والے طلبہ کی سند کا متن یوں دیکھا گیا:

> ”تصدیق کی جاتی ہے کہ....بن.... از....نے الشهادة العالمية في العلوم العربية والإسلامية پاس کرنے کے بعد پہلا سالانہ امتحان ...... منعقدہ .... میں اضافی مضامین: علوم اسلامیہ، ومطالعہ پاکستان، پنجابی اور سیاسیات میں کامیابی حاصل کی ہے۔ نمبر حاصل کردہ ۵۰۰/.....“

پنجاب یونیورسٹی کے تحت ہونے والے اس امتحان کے رزلٹ کارڈ کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ طالب علم نے وفاق سے عالمیہ کا امتحان پاس کرنے کے بعد کل ۵۰۰ نمبروں کا مزید امتحان دیا ہے، جن میں ۲۰۰، ۲۰۰ نمبروں کی سیاسیات اور پنجابی شامل ہیں۔ جبکہ بطور لازمی مضامین: مطالعہ پاکستان / اسلامیات لازمی کے ۵۰، ۵۰ نمبروں کے دو مضامین کا امتحان دیا گیا ہے۔ گویا انگریزی کے علاوہ کل چار مضامین کے امتحان کے بعد

اوّلاً: ایم اے علوم اسلامیہ کی سند ہر میدان میں فرائض منصبی کی ادائیگی کیلئے کامل اور اہل قرار پائی۔

ثانیاً: سند پر مذکور 'بی اے (وفاق المدارس)' سے پتہ چلا کہ اب یہ طالب علم بی اے کا بھی سند یافتہ ہے۔

واضح رہے کہ ۱۹۸۲ء کے نوٹیفکیشن میں مذکور اس طریقہ کار کو اختیار کرتے ہوئے، ایم اے کو جامع تر کرنے اور بی اے کی سرکاری سند حاصل کرنے کے لیے انگریزی کی کوئی تعلیم لازمی نہیں ہے۔

دوسرا مرحلہ: جنرل پرویز مشرف کا دور

جنرل محمد ضیاء الحق کے بعد آنے والی پاکستانی حکومتیں پھر اپنے دینی فریضہ سے غافل ہوگئیں، حتیٰ کہ جنرل پرویز مشرف کے دورِ حکومت میں مدارسِ دینیہ کی اس سند پر بعض پابندیاں عائد کردی گئیں تاکہ وفاق کی اسناد کی ترویج میں رکاوٹیں ڈالی جائیں۔ اس سے قبل مدارس کے آخری تعلیمی مرحلہ کا ہی امتحان لیا جاتا تھا، اور اس کی

---

۱ ۱۹۸۲ء کے اصل نوٹی فکیشن میں 'حال میں ہی متعارف کرائے گئے اختیاری Elective مضامین' اسلامیات اور مطالعہ پاکستان درج ہیں، جبکہ یہاں اختیاری کا لفظ ٹائپنگ کی غلطی ہے، کیونکہ ۲۰۰۵ء میں ایچ ای سی کی طرف سے جب اسی نوٹیفکیشن کو آگے بڑھایا گیا تو وہاں اسی عبارت کی اصلاح کرتے ہوئے اختیاری کی بجائے لازمی مضامین لکھ دیا گیا۔ دیکھیں اگلا نوٹیفکیشن ۲۰۰۵ء

سند جاری کردی جاتی تھی۔ جبکہ اعلیٰ تعلیم کے وفاقی ادارے (ہائر ایجوکیشن کمیشن) کی طرف سے نوٹیفکیشن نمبر 8-16/HEC/A&A/2005 مجریہ ۲۰/ اگست ۲۰۰۵ء میں قرار دیا گیا کہ

"موضوع: دینی اسناد کی منظوری **Recognition**

HEC وفاق ہائے مدارسِ دینیہ کی اسناد کو عربی واسلامیات کی تدریس و تحقیق کے لئے ایم اے اسلامیات و عربی کے مساوی تسلیم کرتا ہے۔ تاہم ان وفاقوں کی عالمیہ کی سند کی منظوری کے لئے ضروری ہے کہ اس سند کا حامل درج ذیل تعلیمی مراحل کو پاس کر چکا ہو:

مڈل سکول سرٹیفکیٹ (متوسطہ) ۸ سالہ تعلیم جو درج ذیل میں داخلہ کا تقاضا ہے:

شہادۃ ثانویہ عامہ (میٹرک) ۲ سالہ تعلیم

شہادۃ ثانویہ خاصہ (انٹرمیڈیٹ) ۲ سالہ تعلیم

شہادۃ عالیہ (بی اے) ۲ سالہ تعلیم

شہادۃ عالمیہ (ایم اے) ۲ سالہ تعلیم

اس طرح ایم اے تک کل تعلیمی دورانیہ ۱۶ سال پورے ہوتے ہیں جو ایم اے (اسلامیات وعربی) کی ڈگری کا قانونی تقاضا ہے۔

تدریس کے علاوہ کسی اور میدان میں ملازمت حاصل کرنے کے لئے ایم اے کی یہ سند پانے والے طلبہ کے لئے لازمی ہوگا کہ وہ کسی بھی یونیورسٹی سے بی اے درجہ کے (عربی اور اسلامیات کے ماسوا) دو اختیاری مضامین کا امتحان پاس کریں۔ مزید برآں انہیں بی اے درجہ کے اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کے لازمی امتحان (Compulsory Subjects) بھی پاس کرنا ہوں گے۔

چنانچہ وفاق کے کسی بھی سند یافتہ کو معادلہ کا لیٹر، انفرادی طور پر مطلوبہ اسناد کی فراہمی کے بعد، طے شدہ فارم نمبر E-02 بھرنے پر ہی جاری کیا جائے گا۔"

اس طرح مدارس کو اس امر کا تو پابند کیا گیا کہ وہ ایم اے کی سطح کے امتحان سے قبل میٹرک (ثانویہ عامہ)، ایف اے (ثانویہ خاصہ) اور بی اے (شہادۃ عالیہ) کے امتحان بھی منعقد کرائیں، اور ان میں ضروری دورانیہ بھی ملحوظ رکھیں، نیز طلبہ کے لئے مڈل کی سند پیش کرنا بھی ضروری قرار پائی۔ لیکن سابقہ امتحانات کے انعقاد اور ان کی پابندی کے باوجود ان کی اسناد کی منظوری کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اس اقدام کا مقصد مدارس کو قومی دائرے میں لانے کی بجائے، معاشرے میں تقسیم کو مزید گہرا کرنا تھا، اس لئے پابندی اور رکاوٹ پر ہی اکتفا کیا گیا۔

ایچ ای سی کے مذکورہ بالا نوٹیفکیشن کا مقصد صرف اتنا تھا کہ ایم اے کی سند کو مشروط طور پر معتبر قرار

دلوانے کے لئے بھی دفتر وفاق کو طالب علم کے سابقہ تین امتحانات اور مڈل کا ریکارڈ پیش کرنا ضروری ہے۔ اور اس سند کو اُصولی طور پر معتبر قرار دینے کے بجائے مطلوبہ پرفارما پر انفرادی ریکارڈ پیش کرنے پر ہی متعلقہ اُمیدوار کی ایم اے کی سند مشروط طور پر تدریس و تحقیق کے لئے معتبر قرار دی جائے گی۔ یاد رہے کہ اس مرحلے میں بھی ایم اے کو جامع تر کرنے کے لئے انگریزی کی کوئی تعلیم لازمی قرار نہیں دی گئی۔

اعلیٰ عدالتوں کے فیصلے

مدارس کی آخری سند کی مشروط منظوری کے باوجود، ان کی میٹرک اور ایف اے کی اسناد قومی نظام تعلیم میں معتبر نہ سمجھی جاتی تھیں۔ ان کی منظوری کی طرف پیش قدمی کی بجائے مشرف حکومت کا اُلٹا موقف یہ بھی رہا کہ جب ان کی نچلی سندیں معتبر نہیں، تو پھر ایم اے کی سند کی منظوری کا بھی خاتمہ ہونا چاہیے؟

① چنانچہ ۲۰۰۵ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان کے سامنے صوبہ سرحد میں ہونے والے ناظم اور نائب ناظم کے انتخابات میں اُمیدواروں کی اہلیت پر اعتراض کیا گیا تو جسٹس تصدق حسین جیلانی کی سربراہی میں ۴؍اگست ۲۰۰۵ء کو سہ رکنی بنچ نے یہ فیصلہ دیا کہ

> ''مدارس کی سندیں رکھنے والوں کو مشروط طور پر انتخابات لڑنے کی اجازت ہے، تاہم اس کا حتمی فیصلہ ابھی ہونا باقی ہے۔''

② اس دور میں پارلیمنٹ میں متحدہ مجلس عمل سے تعلق رکھنے والے ستّر ارکان دینی مدارس سے فارغ التحصیل تھے۔ چنانچہ یہی مسئلہ دوبارہ سپریم کورٹ میں چند روز بعد ۱۶؍اگست ۲۰۰۵ء کو پھر پیش آگیا تو دورانِ سماعت اٹارنی جنرل مخدوم علی خان نے عدالتِ عظمیٰ سے کہا کہ

> ''جب کوئی شخص میٹرک پاس ہی نہیں تو الشہادۃ العالمیہ کی سند کو بی اے یا ایم اے کے مساوی کیسے مانا جاسکتا ہے؟ پانچ دینی وفاق ایسے ہیں جن کو HEC نے سندیں دینے کا اختیار دیا ہے اور اُنہیں تین لازمی مضامین پاس کرنے کے بعد ہی میٹرک یا انٹر میڈیٹ کے برابر تسلیم کیا جاتا ہے۔''

اور سپریم کورٹ کے بنچ نے چیف جسٹس افتخار چودھری کی سربراہی میں یہ تبصرہ کیا کہ

> ''صرف انہی دینی مدرسوں کی سندیں قابل قبول ہوں گی جو ہائر ایجوکیشن کمیشن HEC سے منظور شدہ ہوں اور یہ سندیں میٹرک کے مساوی اس وقت سمجھی جائیں گی جب طالب علم نے کسی بورڈ سے انگلش، اردو اور مطالعہ پاکستان کے لازمی مضامین پاس کیے ہوں۔''

③ اور اس موقع پر سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ

> ''دینی اسناد کے بی اے کے برابر ہونے کا فیصلہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں ہوگا،

اور وہ جس سند کو بی اے کے برابر قرار دے گا، اسی اُمیدوار کو الیکشن لڑنے کی اجازت ہو گی۔"[1]

سپریم کورٹ کے اس فیصلہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ عدالتِ عظمی نے لاہور ہائی کورٹ کے فیصلہ کی تصدیق کر دی ہے اور پشاور ہائی کورٹ کے فیصلہ کو مسترد کر دیا ہے۔[2]

ظاہر ہے کہ سپریم کورٹ کسی بھی فیصلہ سے قبل مجاز سرکاری اداروں سے جملہ تفصیلات اور قوانین طلب کرتی ہے۔ اس فیصلہ سے معلوم ہوا کہ وفاق کے تحت میٹرک، ایف اے کے امتحان سرکاری طور پر دو شرائط کے تحت معتبر ہیں: اوّل تو یہ امتحان 'منظور شدہ پانچ وفاقات یا مدارس' کے تحت ہونے چاہئیں۔ دوم: ان کے ساتھ انٹر بورڈ سے انگریزی، اردو اور مطالعہ پاکستان کے مضامین کا امتحان بھی پاس کرنا ضروری ہے۔

④ اس کے دو سال بعد دینی مدارس کی اسناد کی بنا پر سیاست میں حصہ لینے والوں کو ماضی کے عدالتی فیصلہ کے برعکس واضح طور پر یوں منع کر دیا گیا:

"لاہور ہائیکورٹ کے الیکشن ٹربیونل کے دو جج صاحبان جسٹس محمد مزمل خاں اور جسٹس سردار محمد اسلم نے اپنے فیصلہ میں یہ قرار دیا کہ الیکشن ۲۰۰۸ء میں دینی مدارس کی اسناد کو تسلیم نہیں کیا جائے گا اور ایسے اُمیدوار الیکشن لڑنے کے سلسلے میں نااہل تصور ہوں گے۔ یاد رہے کہ گزشتہ انتخابات کے موقع پر ۲۵/ جولائی ۲۰۰۲ء کو ایک عدالتی فیصلہ کی رو سے دینی اسناد کے حامل اُمیدواروں کو الیکشن لڑنے کی اجازت دی گئی تھی جس فیصلہ کو عدالتِ عالیہ نے اُسی الیکشن کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہوئے آئندہ انتخابات کے لئے ایسے اُمیدواروں کو نااہل قرار دیا۔"[3]

فاضل عدالت نے یہ قرار دیا کہ "صرف ایسے اُمیدوار انتخابات لڑنے کے اہل ہیں جنہوں نے دینی اسناد کے ساتھ بی اے کی انگریزی اور ایک مضمون کا سرکاری امتحان بھی پاس کیا ہو۔"

لاہور ہائی کورٹ کے اس فیصلہ کی بنیاد واضح نہیں ہے کہ انہوں نے کیوں کر بی اے کی انگریزی اور ایک مضمون کا سرکاری امتحان پاس کرنے کی شرط پیش کی؟ جبکہ ۱۹۸۲ء کے نوٹیفکیشن میں تو کوئی سے دو اختیاری اور دو لازمی مضامین کے سرکاری امتحان دینے کی بات کی گئی تھی اور اختیاری مضامین میں انگریزی کو لازمی کرنے کی قانونی بنیاد واضح نہیں۔ غالباً لاہور ہائیکورٹ نے عمومی بی اے کے لازمی مضامین (انگریزی، اسلامیات اور مطالعہ

---

1 http://www.bbc.com/urdu/pakistan/story/2005/08/050816_court_degree_madarsa_zs.shtml

۲ ایضاً

۳ روزنامہ 'پاکستان': ۱۳۰/ دسمبر ۲۰۰۷ء

پاکستان) کی قومی تعلیمی پالیسی یہاں لاگو کردی، جبکہ وفاق کے تحت متوازی نظام جس کو ایم اے (وفاق) اور بی اے (وفاق المدارس) کے طور پر لیا جاتا ہے، کو پیش نظر نہیں رکھا جو دینی مدارس کے لئے خاص ہے۔

معادلہ Equivalence اور الحاق Affiliation میں فرق

فاضل عدالتِ عالیہ کے اس فیصلہ کے مستقبل میں سنگین اثرات مرتب ہوئے اور طلبہ مدارس کے لئے مزید اُلجھنیں پیدا ہوئیں۔ جبکہ پیش نظر فیصلہ میں منظوری Recognition کے دو مروّجہ نظاموں میں فرق ملحوظ نہیں رکھا گیا اور مشرف دور کے سیاسی دباؤ، اور امریکی امداد کے عین عروج کے دور میں معادلہ Equivalence کے تصور کو قومی نظام تعلیم سے الحاق Affiliation کے ساتھ خلط ملط کر دیا گیا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ قومی نظام تعلیم کے تقاضے اور ڈھانچہ مقرر کرنے کا حق ہر قوم کو حاصل ہے۔ لیکن ہر نظام تعلیم میں کسی بھی متوازی نظام تعلیم کو قانوناً معتبر قرار دینے اور اس کو مستند حیثیت دینے میں طے شدہ مضامین سے بڑھ کر تعلیمی دورانیہ اور اس کے ہم پلہ مضامین کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ مثلاً پاکستان میں میٹرک وانٹر کی سطح پر اسلامیات ومطالعہ پاکستان لازمی مضامین ہیں، لیکن پاکستان میں ہی برطانوی نظام تعلیم کے اے اور اولیول کے نصابِ تعلیم میں یہ لازمی مضامین (طے شدہ سرکاری نصاب کے ساتھ) شامل نہیں، اس کے باوجود ان کے تعلیمی نظام کا تقابل وتجزیہ کرتے ہوئے، اے لیول کو ایف اے اور اولیول کو میٹرک کا معادلہ Equivalence دے دیا جاتا ہے۔ اسی طرح پاکستان کی قومی تعلیمی پالیسی میں بی اے کی سطح پر لازمی مضامین میں مطالعہ پاکستان اور اسلامیات لازمی کے ساتھ، انگریزی بھی لازمی ہے۔ لیکن جو طلبہ سعودی یونیورسٹیوں سے بی اے کے سند یافتہ ہوتے ہیں، ان کو انگریزی کے بغیر بھی HEC کی طرف سے بی اے کے معادلہ کا سرٹیفکیٹ جاری کیا جاتا ہے۔ یہی صورت حال دینی مدارس کے وفاقات کی ہے کہ چونکہ اس میں سرکاری خزانے سے کچھ خرچ نہیں کیا جاتا، اس لئے اس میں قومی تعلیمی پالیسی کو نافذ کرنے کی بجائے اس کو فی الوقت ایک متوازی پرائیویٹ نظام تعلیم کی حیثیت حاصل ہے اور اس بنا پر اس کے تعلیمی دورانیے اور نصابات کا جائزہ لیتے ہوئے، قومی تعلیمی پالیسی سے قطع نظر ان کے فضلا کو ایم اے کے مساوی Equivalence قرار دیا جاتا رہا ہے (جیسا کہ ۱۹۸۲ء کا نوٹیفکیشن بھی اپنے عنوان میں ہی Equivalence کا لفظ لکھتے ہوئے اس کو ایک متوازی نظام تعلیم قرار دیتا ہے)۔

جبکہ قومی سرکاری نظام تعلیم اور پالیسی یا تو پارلیمنٹ سے چارٹر ہونے والی یونیورسٹیوں میں لاگو ہوتی ہے یا پبلک یونیورسٹیوں اور ان کے ماتحت چلنے والے الحاق شدہ Affiliated کالجوں میں۔ اس کی ایک آسان مثال یہ بھی ہے کہ کیا جرمنی سے بی اے کرنے والے سند یافتہ کو پاکستان میں جاہل تصور کیا جائے گا؟ یا بعض ضروری

جائزوں کے بعد ایف اے یا بی اے کے مساوی رہم پلہ قرار دیا جائے گا، جبکہ اس جرمن طالب علم نے بی اے کے پاکستان میں منظور شدہ لازمی مضامین سے کچھ بھی نہیں پڑھے ہوں۔ یہی صورتحال دینی مدارس کے فضلا کی ہے کہ ان پر قومی پالیسی جاری کرنے کی بجائے، ان کے تعلیمی دورانیے اور نصابات کی اہمیت ووقعت کو دیکھا جائے۔ اندریں صورتحال ضرورت اس امر کی ہے کہ اس عدالتی فیصلہ پر مزید قانونی چارہ جوئی کرتے ہوئے، فضلائے مدارس کو میسّر سہولت جاری رکھی جائے۔

⑤ لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے ان دنوں راقم نے اپنے مضمون میں لکھا تھا:

''گزشتہ ۵ سالوں میں ۶۴ ارکانِ اسمبلی انہی دینی اسناد کی بنا پر منتخب ہو کر اسمبلیوں میں پہنچے تھے لیکن حالیہ فیصلہ کے بعد اَب ایسے امیدوار الیکشن لڑنے کے اہل نہیں رہے۔ تقریباً دو برس قبل ۲۰۰۵ء میں یونین کونسلوں کے انتخاب کے موقع پر سپریم کورٹ کے سامنے بھی یہی مسئلہ پیش آیا تھا تو اس وقت دینی اسناد کے بارے میں سپریم کورٹ نے واضح موقف اختیار کرنے کی بجائے اس امر کا فیصلہ کیا تھا کہ دینی اسناد کے بی اے کے برابر ہونے کا فیصلہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں ہوگا، اور وہ جس سند کو بی اے کے برابر قرار دے گا، اسی اُمیدوار کو الیکشن لڑنے کی اجازت ہوگی۔ اس اُصولی فیصلہ کے بعد ماہِ جون ۲۰۰۶ء کے وسط میں قومی اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ضلع ژوب کے ناظم سمیت ۱۶ رناظمین کو اُن کے عہدے سے صرف اس بنا پر ہٹا دیا گیا کہ ان کے پاس محض دینی تعلیم کی اَسناد تھیں اور انگریزی و مطالعہ پاکستان کا امتحان انہوں نے پاس نہ کیا تھا۔ ان ناظموں کی جگہ پر دوسرے نمبر پر آنے والے اُمیدواروں کو عہدۂ نظامت سپرد کر دیا گیا۔ اب لاہور ہائیکورٹ کے اس واضح اور دوٹوک فیصلہ کے بعد عملاً دینی مدارس کی اسناد کی قومی حیثیت کو بالکل بے وقعت کر دیا گیا ہے۔''[1]

افسوس ناک امر یہ ہے کہ دینی تعلیم کی ان اسناد کو علمی قابلیت کے لحاظ سے فروتر قرار دیا گیا، جبکہ ان کی علمی قابلیت کا اعتراف تو ۱۹۸۲ء کے نوٹیفکیشن میں ہو چکا تھا اور سیاست کے لئے یہی علمی اہلیت ہی درکار تھی، جس کو ملازمت کے تصورات سے خلط ملط کر کے ان اسناد کو بالکل بے وقعت قرار دے دیا گیا۔ یہ مشرف کی امریکہ نواز حکومت اور عالمی اداروں کی تائید سے چلنے والے HEC کی غلط تشریحات کا برا نتیجہ تھا۔

---

۱ مضمون 'تعلیم کے نام حکومتی جبر' از راقم: شائع شدہ ماہنامہ محدث لاہور: جنوری ۲۰۰۸ء، شمارہ نمبر ۳۱۷، ص ۴

تیسرا مرحلہ: وزیر اعظم نواز شریف کا تیسرا دورِ حکومت

مدارس کی اسناد کی منظوری کا تیسرا مرحلہ حالیہ سالوں میں پھر پیش آیا۔ جب مسلم لیگ ن کی حکومت میں وزیر مملکت (برائے وفاقی وزارتِ تعلیم وپیشہ وارانہ تربیت) انجینئر بلیغ الرحمٰن کے ساتھ اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دینیہ نے وفاق کی اسناد کو مؤثر کرنے کے لئے متعدد اجلاس کیے۔ ان اجلاسوں کے نتیجے میں اتحادِ تنظیمات اور حکومت کے مابین ایک معاہدہ طے پایا جس کو قومی اخبارات نے جولائی ۲۰۱۶ء میں یوں رپورٹ کیا:

- "مدارس کے طلبا کو مختلف مراحل میں جدید سائنسی مضامین، انگلش اور مطالعہ پاکستان کے مضامین پڑھائے جائیں گے۔ اس کے بدلے میں حکومت ان طلبا کے امتحانات کے بعد انہیں سرکاری تعلیمی اداروں کی تعلیم کے مساوی تسلیم کرے گی۔ وہ حکومت کی تسلیم شدہ اسناد حاصل کر سکیں گے۔ مدارس کی تعلیم کو 'ایکٹ آف پارلیمنٹ' کے تحت تسلیم کیا جائے گا۔ ملک بھر کے ۳۵ ہزار سے زائد مدارس کے نصاب میں اصلاحات لائی جائیں گی۔ ۸ سالہ درس نظامی کورس میں تمام لازمی جدید علوم پڑھائے جائیں گے۔ اس حوالے سے تفصیل کے مطابق ثانویہ عامہ، ثانویہ خاصہ، شہادۃ عالیہ اور شہادۃ عالمیہ کو بالترتیب میٹرک، انٹرمیڈیٹ، گریجویشن اور ماسٹر ڈگری کے برابر تسلیم کیا جائے گا۔ اسلام آباد سے نامہ نگار کے مطابق مدارس کے طلبا کو میٹرک، ایف اے، بی اے کے مساوی اسناد جاری کی جائیں گی۔ اتحاد تنظیمات مدارس کے رکن پانچوں بورڈز اپنے نظام تعلیم میں وفاقی بورڈ اور یونیورسٹی کے لازمی مضامین ہر سطح پر بتدریج شامل کریں گے۔

وفاقی وزارتِ تعلیم و پیشہ وارانہ تربیت کے کمیٹی روم میں وزیر مملکت انجینئر بلیغ الرحمٰن کے زیر صدارت اہم اجلاس ہوا جس میں اتحاد تنظیمات مدارس کے قائدین مفتی منیب الرحمٰن، مولانا قاری حنیف جالندھری، مولانا یاسین ظفر، ڈاکٹر عطاء الرحمٰن اور مولانا غلام باقر نجفی نے شرکت کی جبکہ حکومت کی جانب سے وفاقی سیکرٹری وفاقی وزارتِ تعلیم وپیشہ وارانہ تربیت ہمایوں، کوآرڈی نیٹر نیکٹا احسان غنی، ڈاکٹر اللہ بخش ملک ایڈیشنل سیکرٹری، ڈاکٹر اکرام علی ملک چیرمین وفاقی تعلیمی بورڈ، وزارتِ مذہبی امور کے ایڈیشنل سیکرٹری محمد خان کھچی، رضا چوہان ڈی جی HEC سمیت دیگر افراد شریک ہوئے۔ اجلاس میں پانچوں تنظیمات کے بورڈز کو قانونی شکل دینے کے بارے میں غور ہوا۔ وزیر مملکت نے کہا کہ اس سلسلے میں امتحانی بورڈز کے ڈھانچے کو پورا کرنا ہو گا، ان کی وزارت اور وہ ذاتی طور پر بورڈز کو قانونی شکل دینے کے بارے میں ضروری مراحل طے کرنے کے لیے مکمل تعاون کریں گے، اس میں غیر ضروری تاخیر نہیں کی جائے گی۔ اتفاقِ رائے سے طے پایا کہ اتحاد تنظیماتِ

مدارس کے رکن پانچوں بورڈز اپنے نظام تعلیم میں بورڈز اور یونیورسٹی کے لازمی مضامین کو ہر سطح پر بتدریج شامل کریں گے اور اس کے لئے وفاقی تعلیمی بورڈ کا نصاب اور نصابی کتب ہی رائج کی جائیں گی، اس طرح بی اے کی سطح پر مطالعہ پاکستان، انگریزی اور دو اختیاری مضامین کا امتحان دینا ہو گا۔ وزیر مملکت نے ہدایت کی کہ وفاقی وزارتِ تعلیم و پیشہ وارانہ تربیت کے زیر انتظام Tutorial تربیت اور پرچے مرتب کرنے اور جانچنے کے بارے میں جو تربیتی ورکشاپ منعقد کی جائیں گی، پانچوں تنظیمات کی نمائندگی ان کے حجم کے مطابق رکھی جائے گی۔ اجلاس میں طے پایا کہ شہادۃ العالمیہ کے معادلہ (Equivalence) کے لئے ایچ ای سی نے متوسطہ / مڈل کے لیے اسلامیات لازمی کی شرط عائد کی ہے، اسے ختم کرنے کی سفارش کی جائے گی۔ وفاقی وزارتِ تعلیم و پیشہ وارانہ تربیت اس سلسلے میں ایچ ای سی کو سفارش کرے گی۔ وزیر مملکت نے کہا کہ اتحادِ تنظیمات مدارس کے بورڈز کو قانونی درجہ دینے کے لئے بھی معاونت کریں گے۔"[1]

اس معاہدے میں تو بہت سے وعدے کئے گئے، جن میں بطورِ خاص مدارس کے وفاقات کو ایکٹ آف پارلیمنٹ کے تحت لاکر قانونی درجہ دینے کی بات ہے، اور تمام اسناد کی منظوری کا کہا گیا ہے، لیکن عملاً جب یہ معاملہ ایچ ای سی کے پاس آیا تو ایچ ای سی کی 'اسناد کو مساوی اور معتبر قرار دینے والی کمیٹی' (Equivalence and Accreditation Committee) نے اپنے چھٹے اجلاس منعقدہ ۲/فروری ۲۰۱۷ء میں اس کے بارے میں فیصلہ کیا، اور اس فیصلہ کو نوٹیفکیشن نمبر 8(61)/A&A/2017/HEC مجریہ ۱۳/اکتوبر ۲۰۱۷ء کی صورت میں یوں جاری کیا:

"موضوع: منظور شدہ دینی اداروں کی شہادہ عالیہ [بی اے] کا معادلہ

۱۔ الشهادة العالية في العلوم العربية والإسلامية ایچ ای سی کی جانب سے بی اے (پاس) کے مساوی تسلیم کی جائے گی، اگر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی یا کسی بھی چارٹرڈ یونیورسٹی سے بی اے کی سطح کے انگریزی و مطالعہ پاکستان کے لازمی مضامین پاس کر لئے جائیں، بشرطیکہ آئی بی سی سی[2] شہادۃ ثانویہ عامہ و ثانویہ خاصہ کا معادلہ جاری کر دے۔ اور آئی بی سی سی شہادۃ ثانویہ عامہ و ثانویہ خاصہ کا معادلہ اپنی سفارشات کے مطابق ہی جاری کرے گا۔

---

۱ روزنامہ نوائے وقت: ۱۴/جولائی ۲۰۱۶ء

۲ IBCC انٹر بورڈ چیر مین کمیٹی کا مخفف ہے، جو انٹر درجہ کے مختلف بورڈز کے چیئرمین حضرات پر مشتمل ایسا بورڈ ہے جو میٹرک اور ایف اے مرحلہ کی اسناد کے معادلہ (Equivalence) کی منظوری وغیرہ دیتا ہے۔

۲۔ متعلقہ وفاق اپنے طور پر (یعنی متوسطہ مساوی درجہ مڈل) طالب علم کو شہادہ ثانویہ عامہ میں داخل کریں گے، اور ایچ ای سی دینی اسناد کے حاملین سے مڈل سکول سرٹیفکیٹ طلب نہیں کرے گا۔

۳۔ اگر کوئی طالب علم کسی یونیورسٹی میں اسلامیات و عربی کے علاوہ کسی اور مضمون میں باضابطہ ماسٹرز کرنے کا خواہش مند ہو تو وہ (ایسے ایم اے میں) داخلہ کے لئے شہادہ عالیہ کے بعد لازمی مضامین (Compulsory Subjects) کے ساتھ، عربی اور اسلامیات کے ماسوا دو اختیاری مضامین (Elective Subjects) کا امتحان بھی پاس کرے گا۔"

تجزیہ

① اس نوٹیفکیشن میں نکتہ نمبر ۲ کے تحت ایم اے کے معادلہ (Equivalence) کے لئے مشرف دور میں مڈل کی سند پیش کرنے کی شرط ختم کرنے کی بات کی گئی ہے، حالانکہ اس کے خاتمے کی وجہ یہ ہے کہ مڈل کے امتحان کا ایسا کوئی مستند سرکاری نظام تاحال موجود نہیں جس کی پابندی ہر مڈل کرنے والے طالب علم پر ضروری ہو، بلکہ پرائیویٹ سطح پر بھی مڈل کا امتحان دیا جاسکتا ہے۔ نیز میٹرک کے پرائیویٹ امتحان کے لیے مڈل سرٹیفکیٹ کا مطالبہ ہی نہیں کیا جاتا، یعنی مروّجہ قومی نظام تعلیم میں بھی میٹرک کی سند کے حصول کے لئے مڈل پاس کرنا ضروری نہیں ہے۔

② نکتہ نمبر ۳ کے تحت وفاق ہائے مدارس کی عالیہ کی سند پر کسی اور مضمون میں باضابطہ ایم اے میں داخلہ کے لئے درج ذیل مضامین کو پاس کرنا ضروری ہو گا:

a. عربی و اسلامیات کے علاوہ کوئی سے دو اختیاری مضامین
b. لازمی مضامین: یعنی انگریزی لازمی، مطالعہ پاکستان لازمی، اسلامیات لازمی
c. متعلقہ ایم اے میں داخلہ کے لئے بی اے سطح کا لازمی مضمون

نوٹیفکیشن کے نکتہ نمبر ۳ میں صرف لازمی مضامین (in addition to Compulsory Subjects) کا جملہ درج ہے۔ اور اس کی کم از کم مراد انگریزی لازمی اور مطالعہ پاکستان لازمی ہیں، جیسا کہ اسی نوٹیفکیشن کے نکتہ نمبر ۱ میں اور لاہور ہائیکورٹ اپنے فیصلہ ۲۰۰۸ء میں قرار دے چکی ہے۔ اس طرح کل چار مضامین کا سرکاری امتحان ضروری ہوا۔ اور اگر بی اے کی سطح کے لازمی مضامین کو مطلق طور پر دیکھا جائے تو ۵۰ نمبر کی اسلامیات بھی لازمی ہے، جیسا کہ ۲۰۰۵ء کے HEC نوٹیفکیشن میں اسے بھی لازمی مضامین میں شمار کیا گیا ہے۔ اور اگر یونیورسٹیوں میں جاری پریکٹس کو دیکھا جائے تو کسی بھی مضمون کے ایم اے میں داخلہ حاصل کرکے ریگولر پڑھنے کے لئے اس مضمون میں بی اے کی سطح کا مضمون پڑھنا بھی لازمی سمجھا جاتا ہے۔

اس بنا پر لازمی مضامین کے لفظ کو کم از کم دو یا زیادہ سے زیاد چار لازمی مضامین + دو اختیاری مضامین (یعنی کل چھ مضامین) تک وسیع کیا جاسکتا ہے۔

یاد رہے کہ عام بی اے میں کل تین مضامین ۲۰۰ + ۲۰۰ + ۲۰۰ نمبرز (جن میں ایک ۲۰۰ نمبر کی انگریزی لازمی ہونی چاہیے) اور اسلامیات لازمی / مطالعہ پاکستان لازمی کے ۵۰ + ۵۰ نمبر اور ایک آپشنل پرچہ ۱۰۰ نمبرز کے کل چھ مضامین ہی شامل ہوتے ہیں اور اس کے کل نمبر ۸۰۰ ہوتے ہیں۔ نکتہ نمبر ۳ میں مذکور لازمی مضامین کے ہر دو پہلو (دو یا چار مضامین) کو دیکھا جائے تو یہ امر افسوسناک اور غور طلب ہے کہ مدارس کی آٹھ سالہ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کو بی اے میں آخر کیا حیثیت اور وزن دیا گیا ہے؟

نکتہ نمبر ۳ میں دی جانے والی یہ سہولت دراصل سابقہ ۱۹۸۲ء اور ۲۰۰۵ء کے نوٹی فکیشنز میں مذکور اسی نظام کا دوسرا پہلو ہے جس میں کہا گیا تھا کہ اگر وفاقہائے مدارس کی عالمیہ کی سند کو تدریس کے علاوہ دیگر میدانوں میں ملازمت کے لئے معتبر قرار دینا ہو تو بی اے سطح کے تین مضامین (دو اختیاری اور ایک ۱۰۰ نمبر کے اسلامیات / مطالعہ پاکستان) پاس کئے جائیں۔ تاہم اب اس میں ایم اے ریگولر میں داخلہ کے لئے مزید لازمی مضمون (انگریزی لازمی اور متعلقہ ایم اے کے لازمی مضامین کا بھی اضافہ کرکے، اسے چار سے چھ مضامین تک وسیع کر دیا گیا ہے۔

③ جہاں تک اس نوٹیفکیشن میں مدارس کی شہادۃ عالیہ (بی اے) کی منظوری کا تعلق ہے تو ایک طرف

a. اس نظام میں ۲۰۰۵ء والا HEC کا نظام ہی پختہ کیا گیا ہے کہ پچھلی اسناد: شہادۃ ثانویہ عامہ اور ثانویہ خاصہ کو بھی پیش کیا جائے۔

b. اور جب یہ ثانویہ اسناد آئی بی سی سی سے، ان کے داخلی نظام کے مطابق معادلہ حاصل کر لیں گی، تب ہی شہادہ عالیہ پر بی اے کی سند جاری کی جائے گی۔ گویا بی اے کی یہ سند شہادہ عامہ وخاصہ کے انٹر بورڈ کے معادلے سے بھی مشروط ہے۔

c. اور اس بی اے کی سند کے حصول کے لئے وفاق کی شہادہ عالیہ پر بی اے درجہ کی انگریزی اور مطالعہ پاکستان کے دو لازمی مضامین کا کسی بھی سرکاری یونیورسٹی سے امتحان پاس کرنا ضروری ہے۔

اس نوٹیفکیشن کا موضوع منظور شدہ دینی اداروں کی شہادۃ عالیہ کی منظوری ہے، تاہم اس میں شہادۃ عالیہ کے حصول کے لئے جو طریقہ کار پیش کیا گیا ہے، وہ اس قدر طویل اور پیچیدہ ہے کہ اس میں انگریزی لازمی کا اصل امتحان بھی باقی رہا اور یہ میٹرک اور ایف اے کی معادلہ کی اسناد سے بھی مشروط ہے۔ ظاہر ہے کہ بورڈز کی کمیٹی بھی شہادۃ ثانویہ عامہ اور خاصہ کا معادلہ جاری کرنے کے لئے اپنے لازمی مضامین ضرور شامل کرے گی۔ اس بنا پر یہ طویل اور پیچیدہ نظام کسی خاطر خواہ سہولت کی بجائے، ماضی کے دونوں نوٹی فکیشنز میں کوئی رعایت نہیں

دیتا، بلکہ اس طریقہ کار کے مطابق بی اے کی سند کا حصول ماضی کی بہ نسبت مشکل تر ہوگیا ہے اور اس کو تسلیم کر کے جاری کر دیا جائے تو سابقہ آسان نظام سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

کیونکہ ۱۹۸۲ء میں جاری ہونے والے پہلے نوٹیفکیشن کے مطابق وفاق کی شہادۃ عالمیہ کی بنا پر تین مضامین (انگریزی کو چھوڑ کر) کے امتحان سے بی اے کی کسی سرکاری یونیورسٹی کی سند حاصل کی جاسکتی ہے، جس کے بعد بی اے کی سند بھی معتبر ہوتی اور ایم اے بھی تمام مقاصد کے لئے معتبر و مستند ہو جاتا۔ جب بی اے کی ایسی کوئی سند مل گئی تو اس کی بنا پر اب سیاست وملازمت کے کسی میدان میں جانا بھی ممکن ٹھہرا۔ اور اس کے لئے میٹرک اور ایف اے کی معادلہ شدہ اسناد کی شرط بھی نہیں تھی۔ سابقہ بی اے کی سند کا یہ نظام حالیہ طریقہ کار کی بہ نسبت بہت آسان، جامع اور مفید ہے۔

ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ اب اس نئے نظام کی بنا پر سابقہ آسان تر نظام پر کوئی پابندی نہ لگا دی جائے۔ بعض اوقات سرکاری یونیورسٹیاں اس سابقہ نظام پر بلاوجہ الجھن ڈال دیتی ہیں جس کی پریکٹس ماضی میں بخوبی جاری رہی ہے۔ یونیورسٹیوں کے ایسے اقدام کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے ان پر اس سابقہ نظام کو جاری رکھنے کا دباؤ ڈالنا چاہیے جبکہ اُصولاً دونوں ہی نظام جاری ہیں، کیونکہ سابقہ نوٹیفکیشن ایم اے کی سند اور اس کی بنیاد پر بی اے کے حصول کا تھا، اور حالیہ نوٹیفکیشن بی اے کی سند کے بارے میں مخصوص ہے یا ایم اے میں داخلہ کا طریقہ کار ہے۔ سو دونوں نوٹیفکیشن کا موضوع علیحدہ ہونے کی بنا پر فی الوقت دونوں ہی جاری وساری ہیں اور دونوں کو جاری رہنا بھی چاہیے۔[1]

اس نوٹیفکیشن کے بارے میں اخبارات میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ اس کے ذریعے ''ایچ ای سی نے وفاق کی شہادہ عالیہ کو بی اے کے مساوی تسلیم کر لیا۔'' چنانچہ روزنامہ 'نوائے وقت' کی خبر ہے:

> ''مدارس کے طلبہ وطالبات پر یونیورسٹیز کے دروازے کھل گئے۔ ہائیر ایجوکیشن کمیشن نے مدارس کی شہادۃ العالیہ کی سند کو گریجویشن کی ڈگری کے مساوی تسلیم کر لیا۔ شہادۃ العالیہ کی سند کے حامل طلبہ و طالبات سرکاری جامعات کے لئے بھی اہل ہوں گے۔ اعلامیہ جاری کر دیا گیا ہے۔ کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ ڈگری کے ساتھ انگلش اور مطالعہ پاکستان کو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی یا کسی دوسری یونیورسٹی سے پاس کرنا ہوگا۔ اس طرح مدارس کے ایسے طلبہ وطالبات جن کے پاس شہادت العالیہ کی سند ہوگی، ضروری تقاضے پورے کرنے پر یونیورسٹیز میں داخلے لے سکیں گے۔ ثانویہ عامہ، ثانویہ

---

۱ کل چار طرح کے قوانین ہوئے: پہلا: شہادۃ عالیہ کا معادلہ ۱۹۸۲ء، دوسرا: شہادۃ عالیہ کو جامع کرنے کا طریقہ ۱۹۸۲ء، تیسرا: شہادۃ عالیہ کا معادلہ ۲۰۱۷ء، چوتھا: ریگولر ایم اے میں داخلہ کا طریقہ ۲۰۱۷ء اور چاروں قوانین ہی فی الوقت جاری وساری ہیں۔

خاصہ کی اسناد انٹر بورڈ کمیٹی دے گی۔''[1]

اسی سے ملتی جلتی خبر وفاق المدارس العربیہ، ملتان کے میڈیا سنٹر نے ۱۵/ اکتوبر کو جاری کی، جس کی رو سے ''مولانا محمد حنیف جالندھری اور اتحادِ تنظیمات مدارس کے دیگر قائدین کی کوششوں سے مدارس کی درجہ عالیہ کی سند کو بی اے کے مساوی تسلیم کرلیا گیا۔ صرف دو لازمی مضامین کا امتحان پاس کرنا ہوگا۔ حکومتی ذمہ داران کی طرف سے دینی مدارس کے فضلا سے امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جائے گا۔ اس سے قبل دینی مدارس کے فضلا کی صرف عالمیہ کی سند کو ایم اے عربی اور اسلامیات کے مساوی تسلیم کیا جاتا تھا، لیکن عالیہ کی سند کی سرکاری طور پر کوئی حیثیت نہیں تھی جس پر برسوں سے کوشش جاری تھی۔ اس ریلیف کی اطلاع پر ملک بھر کے دینی مدارس کے فضلا میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اور ان کی دیرینہ مشکلات میں کمی کی جانب واضح پیش رفت ہوئی۔''

اوپر ہم اصل نوٹیفکیشن اور سابقہ صورت حال کے تقابل و تجزیے کے بعد بخوبی واضح کرچکے ہیں کہ حالیہ نوٹیفکیشن کا تاثر تو بہتر ہے، لیکن عملاً اس میں کسی سمت کوئی پیش قدمی نہیں ہوسکی، بلکہ نکتہ نمبر ۳ میں ایم اے میں داخلہ کے لئے مزید دو مضامین کا بوجھ طالب علم پر ڈال دیا گیا ہے۔ نیز حالیہ طریقے میں ابھی انٹر بورڈ کی طرف سے دو اسناد کی منظوری بھی باقی ہے جبکہ یہ انٹر بورڈ کمیٹی، میٹرک کی سند جاری کرنے کے لئے از خود مڈل سرٹیفکیٹ کو لازمی قرار دے دے، تو پھر نکتہ نمبر ۲ کی گنجائش بھی مشکوک ہوجاتی ہے۔ کیونکہ ہائر ایجوکیشن کمیشن HEC، انٹر بورڈ چیئرمین کمیٹی IBCC کے مستقل سرکاری ادارے کے طے شدہ طریقہ کار میں اُصولی تبدیلی کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ اور انٹر بورڈز اپنے ضوابط خود وضع کرتا اور ان کی پابندی کراتا ہے۔ الغرض نکتہ نمبر ا میں شہادۃ عالیہ کو دی جانے والی منظوری کا طریقہ کار اس قدر پیچیدہ اور طول طویل ہے جس کے مقابلے میں ۱۹۸۲ء سے موجود بی اے کا طریقہ کار ہی کافی سہل اور قابل عمل ہے۔

مزید مشکلات میں اضافہ

مزید برآں HEC کی طرف سے شہادہ عالیہ یعنی بی اے کا یہ حالیہ جامع نظام / ہدایت نامہ آجانے کے بعد اب وفاق المدارس کے تحت شہادۃ عالمیہ کی سند حاصل کرنے کے لئے ماضی کے برعکس اسی نئی HEC کی منظور شدہ شہادہ عالیہ کو حاصل کرنا ہی ضروری ہوگا۔ اگر کسی موقع پر HEC کا کوئی افسر، ایم اے کے معادلہ کی منظوری کے لئے اس نوٹیفکیشن ۲۰۱۷ء کے تحت ہونے والی شہادہ عالیہ کو ہی طلب کرلیتا ہے، تو پھر وفاق ہائے

[1] روزنامہ نوائے وقت: ۱۴/ اکتوبر ۲۰۱۷ء

مدارس کا پورا نظامِ امتحان ہی خدانخواستہ زمین بوس ہو سکتا ہے۔ افسر شاہی اور HEC کے سابقہ تیور دیکھتے ہوئے یہ امکان بعید نہیں اور مختلف قوانین کو ایک دوسرے کی تشریح کرتے ہوئے سمجھنا ایک عام رویہ ہے۔

جب حکومت اور تنظیماتِ مدارس دینیہ کے مابین حالیہ معاہدہ اور اس کے بعد HEC کا نوٹیفکیشن (اکتوبر ۲۰۱۷ء) آیا تو اسی موقع پر والدِ گرامی مدیر اعلیٰ 'محدث' مولانا حافظ عبد الرحمن مدنی حفظہ اللہ نے وفاق ہائے مدارس کے ذمہ داران کو متوجہ کیا کہ اس طرح کسی مثبت پیش قدمی کی بجائے دراصل HEC نے مدارس کی سابقہ ایم اے سند کی منظوری ۱۹۸۲ء کو بھی منظور شدہ بی اے سے مشروط کر دینا ہے اور یہ کسی کامیابی کی بجائے ناکامی اور مزید رکاوٹوں کا اضافہ بنے گا، لیکن اس موقع پر ان کی تنبیہ پر خاطر خواہ اقدام نہ کیا گیا اور ذمہ دارانِ وفاق کامیابی اور خوشخبری بانٹتے رہے۔ ابھی یہ خوشی پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ وہی ہو گیا جس کا اندیشہ تھا، چنانچہ وفاق المدارس العربیہ کے میڈیا سنٹر، اسلام آباد نے ۳۱؍ جنوری ۲۰۱۸ء کو اپنا پریس ریلیز یوں جاری کیا:

"۱۔ پنجاب حکومت کی طرف سے تمام مکاتب فکر کے دینی مدارس کی اسناد کو مسترد کرنے کا طرزِ عمل افسوس ناک ہے۔ ۲۔ مدارس کے فضلا کے ساتھ امتیازی سلوک بند کیا جائے۔

۳۔ عربی ٹیچرز کی اسناد کے ساتھ بی اے کی اضافی شرط غیر ضروری، ملکی قوانین کی خلاف ورزی اور طے شدہ معاہدوں سے انحراف ہے۔

۴۔ آرٹس ٹیچرز کے لیے شہادۃ العالمیہ کو قبول نہ کرنا مدارس کے فضلا کی حق تلفی اور قوم کے ہزاروں بچوں کو مین اسٹریم میں آنے سے روکنے اور احساسِ محرومی کو اُجاگر کرنے کے مترادف ہے، جبکہ اس پالیسی کے تحت آرٹس ٹیچرز کی اسامیوں کے لیے یونیورسٹی و کالج سے پاس شدہ ایم۔اے اسلامیات حضرات کو اہل قرار دیا گیا ہے۔"

ان خیالات کا اظہار وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے جنرل سیکرٹری مولانا محمد حنیف جالندھری نے اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ پنجاب حکومت کی طرف سے حالیہ دنوں میں ایجوکیٹرز کی بھرتی کا سلسلہ شروع ہوا۔ تمام مکاتبِ فکر کے مدارس کے فضلا اور شہادۃ العالمیہ کے جملہ حاملین اس ناانصافی کا شکار ہوئے ہیں۔ مولانا محمد حنیف جالندھری نے کہ اس صورتحال پر ہم نے اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان کی قیادت سے مشاورت کی، مشترکہ لائحہ عمل کے تحت کئی اقدامات اُٹھانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس سلسلے میں پنجاب حکومت کے محکمہ تعلیم کے ذمہ داران سے بات ہوئی تو اندازہ ہوا کہ آرٹس ٹیچرز کے لیے جہاں یونیورسٹی اور کالج سے پاس شدہ ایم اے اسلامیات قابل قبول ہے، وہیں شہادۃ العالمیہ جو ایچ ای سی کے نوٹیفکیشن کے مطابق ایم اے اسلامیات کے مساوی ہے، کو

تسلیم نہیں کیا جارہا، جو ہمارے لیے باعثِ تشویش ہے۔ مولانا جالندھری نے کہا کہ دینی مدارس کے فضلا آرٹس کے دیگر مضامین بھی پڑھانے کی اہلیت رکھتے ہیں، انہیں صرف اسلامیات ہی نہیں دیگر مضامین کی تدریس کے مواقع بھی مہیا کیے جانے چاہئیں اور باقی امیدواروں کے ساتھ دینی مدارس کے فضلا کو بھی میدان میں اُترنے کا موقع دیا جانا چاہیے۔ مولانا محمد حنیف جالندھری نے کہا کہ حکومتی بدنیتی اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ عربی ٹیچرز کے لیے بی اے کی اضافی شرط عائد کردی گئی جبکہ ایچ ای سی نے کسی قسم کی اضافی شرط کے بغیر دینی مدارس کی ڈگری کو تسلیم کررکھا ہے۔ مولانا محمد حنیف جالندھری نے کہا کہ پنجاب کی حکومت سے ہمارے چار اصولی مطالبات ہیں: (۱) عربی ٹیچرز کے لیے بی اے کی شرط فی الفور ختم کی جائے، (۲) تمام وفاقوں کے فضلا سے امتیازی سلوک بند کیا جائے، (۳) پہلے کی طرح اسلامیات ٹیچرز کی آسامیوں کا الگ سے اعلان کیا جائے اور حیلے بہانوں سے اسلامیات ٹیچرز کے طور پر مدارس کے فضلا کی بھرتیاں بند نہ کی جائیں اور نمبر (۴) یہ کہ آرٹس ٹیچرز کے طور پر بھی دینی مدارس کے فضلا کو درخواستیں، اسناد اور خدمات پیش کرنے اور دیگر امیدواروں کی طرح مقابلے میں حصہ لینے کا موقع فراہم کیا جائے۔"

ایسا ہی پریس ریلیز اور شکوہ وفاق المدارس السّلفیہ کے ذمہ داران نے بھی کیا، جو مختلف اخبارات ورسائل میں شائع ہوچکا ہے۔ اس نئی اُفتاد کی وجہ وہی ہے کہ وفاق ہائے مدارس کے ذمہ داران بیوروکریسی کے طریق کار اور قانونی پیچیدگیوں سے قطع نظر، مختلف نئے معاہدوں میں اپنے آپ کو اُلجھاتے جارہے ہیں اور بظاہر پیش قدمی کے نام پر، ماضی میں حاصل کردہ کامیابیوں سے بھی اپنے ہاتھوں دستبردار ہوتے جارہے ہیں۔

وفاق ہائے مدارس کو فوری طور پر اس امر کی ضرورت ہے کہ ایک طرف نئے منظور شدہ بی اے کو سابقہ ایم اے کے نوٹیفکیشن سے واضح طور پر علیحدہ کرنے کا حتمی فیصلہ کرائے کیونکہ پیچھے بیان کردہ سرکاری نوٹیفکیشن دراصل علیحدہ علیحدہ اسناد کے نظام کی بات کرتے ہیں: ۱۹۸۲ء والا نوٹیفکیشن ایم اے کی سند کے بارے میں ہے اور ۲۰۱۷ء والا نوٹیفکیشن بی اے کی سند کے بارے میں ہے جیسا کہ ان کے عنوانات سے بھی ظاہر ہے، اور دونوں کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے تو پھر عملاً وفاقات کا سارا نظام زمین بوس ہوجاتا ہے۔

دوسری طرف اعلیٰ عدالتوں کے فیصلے میں اس کوتاہی کو نکھارا جائے کہ جج حضرات نے معادلہ اور قومی نظام تعلیم کے جدا تصورات کے نظر انداز کرکے سرکاری یونیورسٹی سے ہونے والا آسان بی اے کا نظام معطل کررکھا ہے۔ اس کے لئے عدالتوں سے مزید ایسے فیصلے حاصل کئے جائیں، جو سابقہ غلطی کا ازالہ کرتے ہوں۔

پس چہ باید کرد؟

جو معاہدہ وفاقی وزارتِ تعلیم اور مدارس تنظیمات کے مابین کیا گیا تھا، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے HEC نے مدارس کو کوئی کامیابی نہیں دی بلکہ مزید رسمی تقاضوں میں اُلجھا کر امکانات کو محدود کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں اہم اور بڑی کامیابی جنرل محمد ضیاء الحق کے دور ہی میں حاصل ہوئی تھی، اور آج تک اس پر رکاوٹوں کا ہی اضافہ ہوا ہے۔ اب شہادہ عالیہ کے معادلہ پر اتنی شرائط کو متعین کر کے گویا پہلے سے موجود آسان طریقہ کار پر بھی مزید پابندیاں اور رکاوٹیں قائم کر دی گئی ہیں۔ اور اب اس کو عملاً ختم کرنے پر ہی زور دیا جا رہا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ وفاقی حکومت سے ہونے والے معاہدے کو آگے بڑھاتے ہوئے مدارس کے بورڈز کو براہِ راست قانون سازی کے ذریعے پارلیمنٹ سے منظور کرانے کا بل پیش کیا جائے اور موجودہ حکومت، جس کی وفاقی وزارت تعلیم نے اس کا معاہدہ کیا ہے، اس کو منظور کرانے کی جدوجہد کرے۔ یہی درست راستہ ہے، وگرنہ HEC جیسے ادارے رسمی تقاضوں کے پیش نظر قومی ضروریات کو نظر انداز کرتے ہی رہیں گے۔

اگر اس سمت کامیاب پیش قدمی ہو جاتی ہے تو اس طرح معاشرے میں دینی و دنیاوی طبقات کی تفریق پر ضرب کاری لگے گی، اور قومی یک جہتی کی مضبوط بنیاد پڑے گی، یہ قیام پاکستان کے مقاصد کی طرف اہم پیش قدمی سمجھی جائے گی۔ جیسا کہ شروع میں ذکر ہو چکا ہے کہ اصولی طور پر مدارس کو قومی تعمیر میں کردار ادا کرنے میں کوئی نظریاتی رکاوٹ نہیں، اور تمام مدارس کا اسناد کی منظوری کا متفقہ مطالبہ اسی کا غماز ہے اور مدارس / حکومت کا حالیہ معاہدہ بھی مدارسِ دینیہ میں جدید علوم کی تدریس کے وعدہ کی یاددہانی کراتا ہے۔ اب ضرورت ہے تو حکومت کو اپنا فرض پورا کرنے کی کہ وہ اسلامی علوم کی تدریس کو قبولیت دینے اور ان کو معاشرے کی تعمیر میں مناسب کردار دینے کے فریضہ کو پورا کرتے ہیں یا ابھی تک انگریز استعمار کے ڈھب پر ہی دین و دنیا اور ان کی تعلیم و اداروں کو بانٹ کر اور اس کے نتیجے میں پاکستانی معاشرے کو تقسیم کر کے رکھنا چاہتے ہیں۔

ان سطور کی تحریر کے دوران ہی 'اتحاد تنظیمات مدارس کی مربوط حکمتِ عملی' (۱۵ر جنوری ۲۰۱۸ء) بھی سامنے آئی ہے جس کے متن کو آخر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس پر بھی پانچوں وفاقات کے ذمہ داران کے دستخط ثبت ہیں۔ اس حکمتِ عملی میں وفاقوں کو باقاعدہ پارلیمنٹ سے منظور کرانے کا نکتہ تو قابل قدر ہے، لیکن اس کے ساتھ نکتہ نمبر ۶، ۷ میں دوبارہ میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کی سطح پر چار تا پانچ مزید بھاری بھر کم مضامین کو شامل کرنے کی متفقہ تجویز پیش کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح میٹرک اور ایف اے کے مرحلے میں دینی طالب علم کے علوم اسلامیہ کے بھاری بھر کم نصاب کو بالکل کوئی حیثیت نہیں دی جا رہی، اور بی اے کے امتحان میں بھی انگریزی کی ادبی قابلیت کو لازمی کر دیا گیا ہے جو عدالتی فیصلے کی ہی بازگشت ہے۔ ہماری گذارش ہے کہ ذمہ

دارانِ وفاقات کو گہرے غور وخوض سے پہلے ایک صحیح اور مبنی بر انصاف موقف کا تعین کرنا چاہیے، مدارس دینیہ سے مشاورت کرکے ان کو جائز حق دلوانے کی پرزور جدوجہد کرنی چاہیے۔ وگرنہ اس 'مربوط حکمت عملی' کی منظوری مدارسِ دینیہ کے ثانویہ عامہ اور خاصہ کے رہے سہے امتحانات کا بھی بوریا بستر لپیٹ دے گی۔

وفاقہائے مدارس کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ان کو ماضی میں بھی کامیابی معادلہ Equivalence کے تصور سے ہی ملی تھی اور تینوں نوٹیفکیشن معادلہ کی ہی بات کرتے ہیں۔ مستقبل میں بھی یہی متوازی نظام ہی ان کی طاقت اور مقصد ہے اور یہی اسلام اور ہماری قدیمی روایات کا تقاضا ہے جس کی بہترین میسر مثال برادر اسلامی ملک سعودی عرب میں زیر عمل ہے۔ پاکستان ایسی نظریاتی ریاست کے پورے قومی نظام تعلیم کی منزل ایسا ہی اسلام پر قائم نظام تعلیم ہے جو دین ودنیا کا جامع ہو۔ اگر غیر مشروط طور پر موجودہ سیکولر نظام تعلیم کا ہی حصہ بن جایا جائے تو ایک طرف حکومت کو سکول وکالج کی طرح اس کے سارے تعلیمی اخراجات برداشت کرنا ہوں گے اور دوسری طرف مدارسِ دینیہ کی صدیوں پر محیط کوششوں کا انجام اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور سے مختلف نہ ہوگا۔

انگریزی زبان کی تعلیم

جب ڈیڑھ صدی قبل انگریز استعمار نے برصغیر میں نیا نظام تعلیم متعارف کرایا تو دین بیزاری (سیکولرزم) کے ساتھ ساتھ اس میں، حاکمانہ برتری کے اظہار کے لئے انگریزی زبان کو بھی لازمی قرار دیا جس کا مقصد یہ تھا کہ تعلیمی صلاحیت کا کوئی دعویٰ انگریزی کی مہارت کے بغیر ناقابل قبول ہے۔ جبکہ یہ امر ظاہر ہے کہ کوئی زبان بھی تعلیمی ترقی کی دلیل نہیں ہوتی، بلکہ علم زبانوں سے ماوراافکار و نظریات کو جاننے اور انہیں استعمال کرنے کی صلاحیت کا نام ہے۔ اور انسان جس طرح اپنی مادری زبان میں علم کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے، کسی دوسری زبان میں اس کی یہ صلاحیت توجہ بٹنے کی بنا پر لازماً متاثر ہوتی ہے۔

اسی طرح انگریزی زبان کو جدید علم کے طور پر بھی متعارف کروایا جاتا ہے، جبکہ نری زبان کوئی علم نہیں ہوتی۔ اگر مدارس میں معاشرتی یا جدید علوم متعارف کرانے ہوں تو اسلامی اساسات پر قائم سیاسیات و معاشیات اور سائنس جیسے مضامین کی بات ہونی چاہیے جبکہ استعمار کے متعارف کردہ نظام تعلیم میں جدید علوم کا مصداق صرف انگریزی زبان کو قرار دے دیا گیا ہے اور اس کی معیاری اہلیت ہی بی اے کی معتبر قابلیت قرار پائی ہے۔

یہاں یہ مفروضہ پروان چڑھایا گیا کہ انگریزی سائنس اور ترقی کی زبان ہے اور اس کے بغیر ترقی نہیں کی جاسکتی۔ حالانکہ اوّل تو اُردو زبان میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ ہر طرح کے افکار و نظریات کو سمو سکے، بیان کرسکے۔ بالخصوص اُردو زبان کی دیگر زبانوں سے ہم آہنگی کی صلاحیت غیر معمولی ہے۔

ثانیاً: سائنسی ترقی کے لئے دنیا کی ترقی یافتہ قوموں نے اپنی مادری زبان کو اختیار کیا ہے، چنانچہ فرانسیسی،

جرمنی، جاپانی، چینی اور روسی اقوام کی ترقی انگریزی زبان کی مرہونِ منت نہیں ہے۔

ثالثاً: اگر سائنس و ٹیکنالوجی میں دنیا کی موجودہ ترقی کو سیکھنا ہو، یا عالمی تجارت میں پیش قدمی کرنا ہو تو یہ سب پاکستانیوں کی مجبوری نہیں ہے۔ بلکہ اس مقصد کے لئے متعلقہ ماہرین کو سائنسی ترقی کی کوئی ایک زبان کو ضرور سیکھ لینا چاہیے، اور عالمی تجارت جس ملک سے درپیش ہو، اس ملک کی زبان کو بھی متعلقہ تاجروں کو جاننا چاہیے۔ جبکہ پوری قوم کو کسی حاکم قوم کی زبان سیکھنے کے بخار میں مبتلا کرکے، خواندگی کی سطح کو متاثر کرنا کوئی عقل مندی نہیں ہے۔ اس مقصد کے لئے جنرل سائنس، جنرل ریاضی، جغرافیہ کی سطح پر اردو زبان میں ہی تعلیم کو متعارف کرانا چاہیے۔

پاکستان بننے کے بعد ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ حاکمیت (ولایت) کی علامت انگریزی زبان سے پیچھا چھڑایا[1] جاتا اور قومی تعلیمی نظریہ میں اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کی لازمی تعلیم پر ہی اکتفا کیا جاتا اور جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں قائم کردہ 'اردو سائنس بورڈ'[2] وغیرہ جیسے سرکاری اداروں کی خدمات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اردو زبان میں سائنسی تعلیم کو فروغ دیا جاتا۔ لیکن افسوس کہ آئین پاکستان کے برخلاف[3] پورے تعلیمی نظام میں انگریزی کی حاکمیت کو اس طرح مسلط کردیا گیا ہے کہ کسی بھی تعلیمی مرحلہ میں اصل قابلیت یہی انگریزی زبان ہی بن گئی۔ دینی مدارس کی اسناد میں بھی یہی انگریزی زبان ہی اہلیت کی اصل رکاوٹ ہے۔ اور میٹرک، ایف اے، بی اے کی سطح پر اس کی وجہ سے بے شمار طلبہ اگلے تعلیمی مرحلہ میں پیش قدمی سے محروم ہوجاتے ہیں۔ اب بھی HEC کے آخری نوٹیفکیشن میں شہادہ عالیہ کی بطور بی اے منظوری میں اصل رکاوٹ انگریزی زبان کی ڈگری (صرف انگریزی زبان نہیں بلکہ بی اے درجہ کی اعلیٰ ادبی مہارت) ہے، جو ہر جگہ تعلیم کا معیار سمجھی جاتی ہے۔ جبکہ اس کی بدولت ہمارے بے شمار قابل افراد قومی دھارے میں شرکت سے محروم ہوجاتے ہیں۔ نیز یہ کہ دینی علوم کے ماہرین کے لئے انگریزی زبان کی اعلیٰ مہارت کوئی لازمی امر نہیں، اُنہوں نے کونسے سائنسی

---

۱ ایران کے قومی ادارے 'ہائی ایجوکیشن کونسل' کے سربراہ مہدی نوید ادھام نے سرکاری ٹی وی پر بتایا کہ سرکاری اور غیر سرکاری سکولوں کے نصاب میں انگریزی پڑھانا قاعدے اور قانون کی خلاف ورزی ہے۔ ملک کے پرائمری سکولوں میں انگریزی زبان پڑھانے پر پابندی عائد کردی گئی ہے۔ ایران کے رہبر اعلیٰ آیت اللہ علی خامنہ ای نے اساتذہ سے خطاب کے دوران کہا کہ ''اس کا مطلب غیر ملکی زبانوں کو سیکھنے کی مخالفت کرنا نہیں بلکہ غیر ملکی ثقافت کو ملک کے بچوں، نوجوانوں اور نوجوان نسل میں فروغ دینے کی مخالفت کرنا ہے۔'' (http://www.bbc.com/urdu/world-42596753 مؤرخہ: ۸ جنوری ۲۰۱۸ء)

۲ یہ ادارہ ۳۱/ اکتوبر ۱۹۸۲ء میں 'مرکزی اردو بورڈ برائے ترقی اردو' سے سائنسی کتب کے تراجم کے لئے تشکیل پایا۔

۳ دستور پاکستان کے آرٹیکل ۲۵۱ کا متن: (۱) ''پاکستان کی قومی زبان اُردو ہے اور یوم آغاز [یعنی ۱۹۷۳ء] سے پندرہ برس کے اندر اندر اس کو سرکاری و دیگر اغراض کے لئے استعمال کرنے کے انتظامات کئے جائیں گے۔'' عرصہ ہوا کہ ۱۵ برس پورے ہوچکے۔

میدان میں ترقی اور دریافتیں کرنا ہوتی ہیں۔ تاہم اگر انہیں کسی ایجاد کی شرعی حیثیت کے بارے میں رہنمائی کرنا پڑے تو وہ اپنے مسلمان سائنسی ماہرین کے تعاون سے ایسا بخوبی کر سکتے ہیں۔

جہاں تک مدارس میں عربی زبان کی تعلیم کی بات ہے تو اُصولاً تعلیم کو مادری (اُردو) زبان میں ہی ہونا چاہیے لیکن چونکہ قرآن وحدیث اور ائمہ کرام کی سب تحقیقات عربی زبان میں ہیں، اس لیے مسلمانوں اور علوم اسلامیہ کے ماہرین کے لئے عربی زبان کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے:

اوّل: عربی زبان کسی محکومیت کی یادگار نہیں بلکہ قرآن کریم اور ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ کی زبان ہے اور ان سے محبت کرنے والے مسلمان ان کی زبان بلکہ ہر ہر اَدا سے محبت کرتے ہیں۔

ثانیاً: ہر مسلمان کیلئے عربی زبان میں عبادات اور اللہ کے کلام کو سمجھنے کے لئے بنیادی اہلیت ہونا ضروری ہے۔

ثالثاً: عربی اور اردو زبان میں یکساں رسم الخط کے ساتھ ذخیرہ الفاظ میں بھی ۷۰ فیصد تک اشتراک پایا جاتا ہے۔

رابعاً: مدارس میں بھی عربی زبان کو اسی حد تک پڑھا جاتا ہے جو قرآن وحدیث کی تفہیم کے لئے ضروری ہے، نہ کہ عربی ادب وانشا اور عربی بول چال یا بلاوجہ عربی زبان کی کتب کا بوجھ طلبہ پر مسلط کر دیا جاتا ہے، کیونکہ یہ مسلّمہ تعلیمی نظریہ ہے کہ مادری زبان میں ہی انسان کے لئے علم کو سیکھنا آسان اور تیز تر ہوتا ہے۔

جہاں تک فارسی زبان کی بات ہے، تو عرصہ ہوا کہ مدارس میں یہ زبان متروک ہوتی جا رہی ہے، اور اس کی جگہ اُردو کتب نے لے لی ہوئی ہے۔

دینی نظامِ تعلیم اور وفاق کی اسناد میں مزید کیا حاصل کرنا باقی ہے؟

اُصولاً تو ملک بھر میں نظامِ تعلیم کو سیکولرزم کے دو دھاروں کی بجائے ایک وحدانی نظامِ تعلیم کی صورت میں چلنا چاہیے جیسا کہ بلادِ عرب وبلادِ مشرقِ اقصیٰ (سعودی عرب، مصر، امارات، ملائشیا، انڈونیشیا وغیرہ) میں ایک قومی نظامِ تعلیم ہی پایا جاتا ہے، اور پاکستان میں بھی جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے اسی نظامِ تعلیم کی علم بردار 'انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی' کو قائم کر دیا تھا۔ اور یہی اسلامی حکومت کا فریضہ اور مسئلے کا مکمل حل ہے۔ تاہم عبوری طور پر مدارس کے فضلا کو زیادہ سے زیادہ قومی دھارے میں لانے کے ٹھوس اقدامات کرنے چاہئیں:

① دینی مدارس کے بورڈ کو مستقل طور پر پارلیمنٹ سے منظور ہونا چاہیے، اس میں فقہ الواقع (واقعاتی صورتحال) کو سمجھنے کے لئے معاشرتی اور سائنسی علوم کو ڈالا جا سکتا ہے، جیسا کہ ۱۹۸۲ء کے نوٹیفکیشن میں موجود تھا۔ تاہم HEC والی انگریزی میں ادبی مہارت کی شرط ختم ہونی چاہیے۔

② وفاق کی اسناد صرف تدریس وتحقیق کے لئے معتبر ہیں، جبکہ ان کو مسلمہ قابلیت نہیں سمجھا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ سیاست میں ان اسناد کی بنا پر اہلیت کو تسلیم نہیں کروایا جا سکا۔ جیسا کہ لاہور ہائی کورٹ کے دو واضح

فیصلے آچکے ہیں۔ پہلا فیصلہ ۲۰۰۵ء میں اور دوسرا ۲۰۰۸ء میں جسٹس محمد مزمل خاں اور جسٹس سردار محمد اسلم کا۔ تاہم پارلیمنٹ سے قانون پاس ہونے یا قانونی چارہ جوئی پر یہ عدالتی فیصلے بھی غیر مؤثر ہوسکتے ہیں۔

③ ثانویہ عامہ اور خاصہ کی اسناد کی منظوری بھی ضروری ہے کیونکہ صرف عالمیہ کرنے والے کی نچلی اسناد غیر معتبر ہوتی ہیں، اور اس بنا پر مزید تعلیم یا کسی بھی سرکاری ملازمت کے حصول میں رکاوٹ پیش آسکتی ہے۔ ان مراحل کو 'انٹر بورڈز' کے سپرد کرنے کی بجائے، ان کے لئے بھی خصوصی نصاب ونظام متعارف کرانا چاہیے۔ کیونکہ مڈل کے بعد سے سائنس گروپ علیحدہ ہوجانے کی طرح علوم اسلامیہ کی مہارت بھی، اسی مرحلہ سے خصوصی تعلیم وتربیت کی متقاضی ہے۔

④ دینی مدارس کے لئے یونیورسٹیوں میں خصوصی نصاب اور خصوصی گروپ کو متعارف کرانا چاہیے جیسا کہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے ہاں 'درسِ نظامی گروپ' پایا جاتا ہے، اور اس کو مزید بہتر کیا جانا چاہیے۔

⑤ اس طرح مدارس کو قومی یونیورسٹیوں کے ساتھ ملحق کرنا چاہیے۔ کم از کم دیگر سرکاری یونیورسٹیوں کی طرح انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد کو بھی ملک بھر میں اپنی شاخوں کو پھیلانا اور اپنی شرائط پر دوسرے تعلیمی اداروں کو الحاق Affiliation کی سہولت ضرور دینی چاہیے۔

⑥ حکومت کو خود اعلیٰ دینی تعلیم کے معیاری ادارے قائم کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیم وتحقیق اور اس کے بعد اس پر عمل درآمد کو اپنی بنیادی ذمہ داری سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ دینی مدارس کو ملنے والا فنڈ اور طلبہ واساتذہ، استعمار کی کئی سالہ جدوجہد کے نتیجے میں مخصوص فرقہ وارانہ دباؤ کا شکار ہیں، جس کے خاتمے کے لئے مسلسل اور منظم کوششیں بروئے کار لانا ضروری ہیں۔ چنانچہ اگر حکومت قومی خزانے سے فرقہ واریت سے بالاتر، قرآن وسنت اور ان کی روشنی میں فقہ اسلامی کی معیاری تعلیم کے ادارے قائم کرے، جیسا کہ انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی اس ضمن میں ایک بہترین مثال ہے، تو اس سے حکومت کا دینی علوم کے فروغ کا فریضہ احسن طور پر پورا ہوگا، اور معاشرے میں فرقہ واریت کے خاتمے کی بہتر مثال بھی قائم ہوگی۔ ایسے ہی قومی نوعیت کے ادارے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اسلامی نظریے اور اس کے شہریوں کی حقیقی اسلامی خدمت کرسکتے ہیں۔ اسی طرح ہی پاکستان کے کامیاب اسلامی فلاحی معاشرہ ہونے کا خواب پورا ہوسکتا ہے۔ ☆☆

(ڈاکٹر حافظ حسن مدنی)
مدیر التعلیم، جامعہ لاہور الاسلامیہ